خدا میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت و شہادت پر فرمائے۔ (نہج البلاغہ، خط ۵۳)

شہادت سے پہلے
امیرالمومنین علیہ السلام کی وصیت

مرکز افکار اسلامی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

انیس ماہ رمضان کی سحر کو زہر آلود تلوار کے وار سے حیدر کرارؑ زخمی ہو چکے ہیں۔ حکیم زخم کا معائنہ کر کے موت کی خبر سُنا چکا ہے۔ احباب واصحاب اور خاندان واولاد حزن وملال سے دوچار ہیں۔ ہادیٔ برحق امام الہدیٰؑ اس حال میں بھی ہدایت اُمت اور نجاتِ ملت کی فکر میں ہیں۔"فزت وربّ الکعبہ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، کی صدا بلند کرنے والے امامؑ دوسروں کی کامیاب زندگی کے لیے نسخہ لکھوا رہے ہیں۔ نجات کی اس راہنمائی اور زندگی کی کامیابی کے اصولوں پر مبنی یہ وصیت سید رضیؒ نے نہج البلاغہ میں وصیت ۴۷ کے تحت درج کی ہے۔ نہج البلاغہ میں وصیت ۲۳ اور خطبہ ۱۴۷ میں بھی وصیت بیان ہوئی ہے جس کی الگ شرح لکھی گئی ہے۔

آئیں کوشش کریں کلام امام نہج البلاغہ کو پڑھیں اس سے امیر المومنین علیہ السلام کی پہچان بھی ہوگی اور خود کو امامؑ کے قریب کرنے اور اس ذریعہ سے خدا تک پہنچنے کی راہیں بھی روشن ہوں گی۔ پروردگار ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

مرکز افکار اسلامی

شہادت سے پہلے علی علیہ السلام کی آخری وصیت

"وصیت ۴۷، نہج البلاغہ"

لِلْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجَمٍ لَّعَنَهُ اللهُ:

جب آپؑ کو ابن ملجم لعنہ اللہ ضربت لگا چکا تو آپؑ نے حسن اور حسین (علیہما السلام) سے فرمایا:

کسی شخص سے محبت ہو تو اُس کی باتیں توجہ اور محبت سے سنی اور پڑھی جاتی ہیں۔ خاص کر ایسے محبوب کی آخری وقت کی باتیں مزید اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ یہ وصیت جو نہج البلاغہ میں اور اس سے پہلے کئی کتب میں درج ہے، امیر المومنین علیہ السلام کی آخری وقت کی باتیں ہیں لہٰذا یقیناً چاہنے والوں کے لیے بہت اہم ہیں۔

اس وصیت کو امامؑ نے دو حصوں میں بیان فرمایا۔ پہلے حصے میں بھی احکام عمومی ہیں مگر خطاب اپنے دونوں فرزندان امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو فرمایا:

اُوْصِیْكُمَا بِتَقْوَی اللهِ، وَ اَنْ لَّا تَبْغِیَا الدُّنْیَا وَ اِنْ بَغَتْكُمَا، وَ لَا تَاْسَفَا عَلٰی شَیْءٍ مِّنْهَا زُوِیَ عَنْكُمَا، وَ قُوْلَا بِالْحَقِّ، وَ اعْمَلَا لِلْاَجْرِ، وَ كُوْنَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَّ لِلْمَظْلُوْمِ عَوْنًا.

میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، دنیا کے خواہشمند نہ ہونا اگر چہ وہ تمہارے پیچھے لگے، اور دنیا کی کسی ایسی چیز پر نہ کڑھنا جو تم سے روک لی جائے۔ جو کہنا حق کے لیے کہنا اور جو کرنا ثواب کے لیے کرنا۔ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔

اس حصہ میں امامؑ نے چھ چیزوں کی طرف توجہ دلائی۔

(۱) تقویٰ کی اہمیت:

بِتَقْوَى اللّٰهِ۔

اللہ سے ڈرتے رہنا۔

تقویٰ یعنی حکمِ الٰہی کے سامنے احساس ذمہ داری کو زندہ رکھنا۔ تقویٰ کی تبلیغ ہی انبیاء اور اولیاء کا مشن رہا اور تقویٰ ہی منشور قرآن ہے۔ قرآن ہدایت ہے تقویٰ والوں کے لیے۔ علی علیہ السلام امام المتقین ہیں اس لیے اپنے فرائضِ امامت کو ادا کرتے ہوئے راہِ تقویٰ کو واضح بھی کیا اور اُس راہ پر چل کر دکھایا بھی۔ قرآن مجید کی روش کو اپناتے ہوئے امامؑ نے متعدد مقامات پر تقویٰ کی طرف توجہ دلائی اور اس کی وضاحت فرمائی۔ خطبہ ۱۹۱ میں متقیوں کے سو سے زائد اوصاف وفضائل بیان فرمائے اور یہ خطبہ "خطبۃ المتقین" کے نام سے موسوم ہوا۔

(۲) دنیا سے رابطہ:

وَ اَنْ لَّا تَبْغِيَا الدُّنْيَا وَ اِنْ بَغَتْكُمَا۔

دنیا کے خواہشمند نہ ہونا اگر چہ وہ تمہارے پیچھے لگے۔

دنیا کے خواہشمند و شیدائی نہ بننا اور اُس کے دھوکے میں نہ آنا اور اس سے ہوشیار

رہنا۔نہج البلاغہ میں دُنیا کے دو پہلو بیان ہوئے۔ پہلا حصہ جس کو قرآن مجید نے کچھ یوں بیان فرمایا:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ﴾

یہ دنیاوی زندگی صرف کھیل، بیہودگی، آرائش، آپس میں فخر کرنا اور اولاد و اموال میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش سے عبارت ہے۔[1]

دُنیا کا وہ پہلو جو خدا سے دور کرے اس سے دور رہنے کی قرآن و نہج البلاغہ میں بہت تاکید کی گئی ہے۔امیرالمومنین علیہ السلام اس پہلو کے بارے میں فرماتے ہیں:

غَرَّارَةٌ ضَرَّارَةٌ، حَآئِلَةٌ زَآئِلَةٌ، نَافِدَةٌ بَآئِدَةٌ، اَكَّالَةٌ غَوَّالَةٌ. لَا تَعْدُوْ اِذَا تَنَاهَتْ اِلٰى اُمْنِيَّةِ اَهْلِ الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَ الرِّضَآءِ بِهَا اَنْ تَكُوْنَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى سُبْحَانَهٗ: ﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾. لَمْ يَكُنِ امْرُؤٌ مِّنْهَا فِيْ حَبْرَةٍ اِلَّآ اَعْقَبَتْهُ بَعْدَهَا عَبْرَةً. وَ لَمْ يَلْقَ مِنْ سَرَّآئِهَا بَطْنًا اِلَّا مَنَحَتْهُ مِنْ ضَرَّآئِهَا ظَهْرًا، وَ لَمْ تَطُلَّهُ فِيْهَا دِيْمَةُ رَخَآءٍ اِلَّا هَتَنَتْ عَلَيْهِ مُزْنَةُ بَلَآءٍ، وَ حَرِيٌّ اِذَا اَصْبَحَتْ لَهٗ مُنْتَصِرَةً اَنْ تُمْسِيَ لَهٗ مُتَنَكِّرَةً. وَ اِنْ جَانِبٌ مِّنْهَا اعْذَوْذَبَ وَ احْلَوْلٰى، اَمَرَّ مِنْهَا جَانِبٌ فَاَوْبٰى.

---

[1] سورۂ حدید، آیہ ۲۰

وہ دھوکے باز، نقصان رساں، ادلنے بدلنے والی اور فنا ہونے والی ہے، ختم ہونے والی اور مٹ جانے والی ہے، کھا جانے اور ہلاک کر دینے والی ہے۔ جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں اور خوش ہونے والوں کی انتہائی آرزوؤں تک پہنچ جاتی ہے تو بس وہی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے: "(اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے وہ پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو زمین کا سبزہ اس سے گھل مل گیا اور (اچھی طرح پھولا پھلا) پھر سوکھ کر تنکا تنکا ہو گیا جسے ہوائیں (اِدھر سے اُدھر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔[۱]

دنیا کا دوسرا پہلو وہ ہے جو زادِراہ کے حصول کا ذریعہ ہے اور احادیث میں اُسے آخرت کی کھیتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امامؑ اس دنیا کی یوں تعریف بیان فرماتے ہیں:

بلاشبہ دنیا اس شخص کے لیے جو باور کرے، سچائی کا گھر ہے۔ اور جو اُس کی اِن باتوں کو سمجھے اس کے لیے امن و عافیت کی منزل ہے۔ اور جو اُس سے زادراہ حاصل کر لے، اس کے لیے دولتمندی کی منزل ہے۔ اور جو اس سے نصیحت حاصل کرے، اُس کے لیے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ وہ دوستانِ خدا کے لیے عبادت کی جگہ، اللہ کے فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام، وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے۔ اُنہوں نے اس میں فضل و رحمت کا سودا کیا اور اس میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کیا۔[۲]

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۹، ص ۳۴۵

[۲] نہج البلاغہ، حکمت ۱۳۱، ص ۸۶۴

(۳) دنیا پر افسوس:

وَ لَا تَأْسَفَا عَلٰى شَيْءٍ مِّنْهَا زُوِيَ عَنْكُمَا۔

اور دنیا کی کسی ایسی چیز پر نہ کڑھنا جو تم سے روک لی جائے۔

دنیا کی سہولتیں میسر نہ ہوں یا چھن جائیں تو افسوس نہ کرنا اس لیے کہ دنیا کا دھوکا یہی ہے کہ وہ ہمیشہ کسی کے پاس نہیں رہتی لہٰذا دنیا ملے تو فخر نہ کریں اور ہاتھ سے چلی جائے تو افسوس نہ کرنا۔ افسوس کرنے سے آپ کو دنیا پلٹا نہیں دی جائے گی بلکہ یہ افسوس آئندہ کے کاموں میں رکاوٹ و سستی کا سبب بنے گا۔

قرآن مجید نے اس بات کو یوں بیان فرمایا:

﴿ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ﴾

جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر تم رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر فخر نہ کرو۔[۱]

امیر المومنین علیہ السلام نے اس کو مکمل زہد قرار دیا اور فرمایا:

(زہد کی مکمل تعریف قرآن کے دو جملوں میں ہے) ارشاد الٰہی ہے: ”جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اس پر رنج نہ کرو، اور جو چیز خدا تمہیں دے اس پر اتراؤ نہیں۔“ لہٰذا جو شخص جانے والی چیز پر افسوس نہیں کرتا اور آنے والی چیز پر اتراتا نہیں، اس نے زہد کو دونوں سمتوں سے سمیٹ لیا۔[۲]

---

[۱] سورۃ الحدید، آیہ ۲۳

[۲] نہج البلاغہ، حکمت ۴۳۹، ص

(۴) حق بات کہنا:

وَ قُوْلَا بِالْحَقِّ۔

جو کہنا حق کے لیے کہنا۔

حق بات کہنا ایک فریضہ ہے اس ظالم کے سامنے حق بات کہنے کو جہاد قرار دیا گیا۔ حق اللہ کا ہو یا اللہ کے بندوں کا اُسے کہنے کی تاکید فرمائی۔ قرآن مجید نے حق کہنے کو خسارے سے بچنے کا ایک سبب حساب کیا ہے اور فرمایا:

﴿وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾

اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے ہیں۔[1]

کبھی کسی کے حق چھن جانے کی گواہی دینے پڑے تو اسے اپنا فریضہ سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ اس جملے میں یہ تاکید بھی ہے کہ بات کرو تو حق کی خاطر بات کرو اپنی طاقت دکھانے یا کسی کو اپنا بنانے کے لیے بات نہ ہو۔

(۵) عمل کی نیّت:

اِعْمَلَا لِلْاَجْرِ،

اور جو کرنا ثواب کے لیے کرنا۔

دنیا میں اکثر کام دنیاوی فوائد کے لیے انجام دیے جاتے ہیں مثلاً اس کام سے شہرت ملے گی، مال ملے گا وغیرہ مگر امامؑ نے متوجہ کیا کہ آپ کی نیت خالص ہو اور جو کام کریں اللہ کی خوشنودی کے لیے کریں تو اس پر اجر ملے گا۔ اگر کوئی اللہ کے لیے کام کرتا ہے تو اُسے

---

[1] سورۂ العصر، آیہ ۳

جہاں اللہ کی جانب سے اجر ملتا ہے وہاں دنیاوی طور پر عزت و مقام بھی اللہ نصیب کرتا ہے۔

(۶) ظالم ومظلوم سے برتاؤ:

وَ كُوْنَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَّ لِلْمَظْلُوْمِ عَوْنًا۔

ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔

مختصر ترین جملوں میں امامؑ نے دو مہم امور کی وضاحت فرمائی۔ظالم کے دشمن بن کر رہنا اور مظلوم کے مددگار بن جانا: آج کے دور میں بھی اگر دُنیا اِن دو فرامین پر عمل پیرا ہو جائے تو سکون و راحت کی حکمرانی ہوگی۔ظالم وہ ہے جو اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے کسی کے خلاف نازیبا بات کرتا ہے، کسی کے حق کو چھین لیتا ہے کسی سے جسمانی زیادتی کرتا ہے اور قید و بند میں ڈالتا ہے کبھی گھر کے چھوٹے سے ماحول میں یہ زیادتی ہوتی ہے اسے مختلف نام دے کر ظلم کیے جاتے ہیں۔

امامؑ نے تجاوز کرنے والے کا دشمن بن جانے کا کہا ہے تا کہ اُسے ظلم سے روکا جائے۔ جتنی جس کی طاقت ہوگی اُسے استعمال کر کے ظلم کو روکنا امامؑ کی وصیت ہے۔اور کچھ نہیں کر سکتا تو ظالم سے دلی طور پر نفرت کر کے بھی یہ فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام اپنی ایک دُعا میں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِنْ مَّظْلُوْمٍ ظُلِمَ بِحَضْرَتِیْ فَلَمْ اَنْصُرْهُ، وَ مِنْ مَّعْرُوْفٍ اُسْدِیَ اِلَیَّ فَلَمْ اَشْكُرْهُ، وَ مِنْ مُّسِیْٓءٍ اعْتَذَرَ اِلَیَّ فَلَمْ اَعْذِرْهُ، وَ مِنْ ذِیْ فَاقَةٍ سَئَلَنِیْ فَلَمْ اُوْثِرْهُ، وَ مِنْ حَقِّ ذِیْ حَقٍّ لَّزِمَنِیْ لِمُؤْمِنٍ فَلَمْ

اُوَفِّرْهُ، وَ مِنْ عَيْبِ مُؤْمِنٍ ظَهَرَ لِيْ فَلَمْ اَسْتُرْهُ، وَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ عَرَضَ لِيْ فَلَمْ اَهْجُرْهُ.

بارِالٰہا! میں اس مظلوم کی نسبت جس پر میرے سامنے ظلم کیا گیا ہو اور میں نے اس کی مدد نہ کی ہو، اور میرے ساتھ کوئی نیکی کی گئی ہو اور میں نے اس کا شکریہ ادا نہ کیا ہو، اور اس بدسلوکی کرنے والے کی بابت جس نے مجھ سے معذرت کی ہو اور میں نے اس کے عذر کو نہ مانا ہو، اور اس فاقہ کش کے بارے میں جس نے مجھ سے مانگا ہو اور میں نے اسے ترجیح نہ دی ہو، اور اس حقدار مومن کے حق کے متعلق جو میرے ذمہ ہو اور میں نے ادا نہ کیا ہو، اور اس مردمومن کے بارے میں جس کا کوئی عیب مجھ پر ظاہر ہوا ہو اور میں نے اس پر پردہ نہ ڈالا ہو، اور ہر اس گناہ سے جس سے مجھے واسطہ پڑا ہو اور میں نے اس سے کنارہ کشی نہ کی ہو، تجھ سے عذرخواہ ہوں۔[1]

[1] صحیفہ سجادیہ دُعا ۳۸

وصیت کا دوسرا حصہ

اُوْصِیْکُمَا وَ جَمِیْعَ وَلَدِیْ وَ اَهْلِیْ وَ مَنْ بَلَغَهٗ کِتَابِیْ۔

میں تم کو، اپنی تمام اولاد کو، اپنے کنبہ کو اور جن جن تک میرا یہ نوشتہ پہنچے سب کو وصیت کرتا ہوں۔

وصیّت کے اِس حصے کو امامؑ نے وسعت دی ہے اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ تمام اولاد اور خاندان کو شامل فرمایا۔ ہمارے لیے مہم امر یہ ہے کہ امامؑ نے ہر اُس فرد کو شامل کیا جس تک امامؑ کی یہ تحریر و وصیّت پہنچے اور نہج البلاغہ کی صورت میں آج یہ تحریر ہم تک پہنچ چکی ہے اس لیے ہم سب کے لیے یہ وصیت ہے۔

وصیت کے اس حصے میں امامؑ نے بارہ احکام پر زور دیا۔

(۱) تقویٰ کی تاکید:

بِتَقْوَی اللهِ۔

اللہ سے ڈرتے رہنا۔

عمومی حصے میں بھی سب سے پہلے امامؑ نے تقویٰ کی تاکید فرمائی اور تقویٰ کو وصیّت کی بنیاد بنایا۔ یہ قرآنی روش ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے قبولیت اعمال کی شرط تقویٰ کو قرار دیا۔

ارشادِ پروردگار ہے:

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾

اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔[۱]

(۲) نظم وضبط:

وَ نَظْمِ اَمْرِكُمْ۔

اپنے معاملات درست رکھنا۔

جیسے اللہ نے اپنی کائنات میں ربط ونظم رکھا ہے اور بدنِ انسانی میں بھی ترتیب اور نظم وضبط کا بے مثال نمونہ رکھا ہے۔ ہر عضو اپنی جگہ رہ کر اپنا کام انجام دے تو یہ صحت مند بدن ہوگا۔ اور اگر بدن کا کوئی حصہ بھی اپنا کام چھوڑ دے تو وہ عضو تو بیمار اور بے کار ہو ہی گیا مگر اُس کی وجہ سے پورا بدن بیمار کہلائے گا۔ اسی طرح معاشرے میں ایک انسان اپنی ذاتی زندگی میں نظم وضبط نہیں رکھتا اور دوسروں کی نسبت زیادتی کرتا ہے یا حق ادا نہیں کرتا تو اُس کی ذاتی کمزوری کے ساتھ معاشرہ بھی بیمار قرار پائے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اِس مختصر فرمان کے ذریعہ انسان کی ذاتی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کی کامیابی کے لیے اس اصول کو بیان فرمایا۔

(۳) آپس کے تعلقات:

وَ صَلَاحِ ذَاتِ بَيْنِكُمْ، فَاِنِّيْ سَمِعْتُ جَدَّكُمَا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: ”صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلٰوةِ وَ الصِّيَامِ“.

اور آپس کے تعلقات سلجھائے رکھنا، کیونکہ میں نے تمہارے نانا رسول

---

[۱] سورۃ المائدہ، آیہ ۲۷

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: "آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا عام نماز روزے سے افضل ہے"۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس موضوع کو بہت اہمیت دے کر بیان فرمایا: آپس کے تعلقات سلجھائے رکھنا کیونکہ میں نے تمہارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا عام نماز، روزے سے افضل ہے۔

اپنے درمیان کے تعلقات کو سنوارنا عام نماز، روزے سے یعنی مستحب نماز، روزے سے افضل ہے۔ اسلام مسلمانوں میں اُلفت و محبت چاہتا ہے۔ اس محبت کو اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں اپنے احسان اور نعمت کے طور پر بیان کیا ہے۔

﴿ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ﴾

تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔[1]

اگر مومنین میں پیار و محبت اور الفت و محبت ہوگی تو دین کی عزت بھی ہوگی اور ترقی بھی ہوگی نماز و روزے کا فائدہ یہ عمل انجام دینے والے کی ذات کو ہوگا مگر پیار و محبت کا فائدہ پورے معاشرے کو ہوگا۔ عام واجب نماز کو بھی اگر کوئی شخص گھر میں اکیلا پڑھ لیتا ہے تو اُس کا فرض تو ادا ہو گیا مگر یہی نماز جب دوسرے افراد کے ساتھ مل کر اور کندھے سے کندھا ملا کر پڑھتا ہے تو اس کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے یہ اجتماع اور مل کر اعمال انجام دینے کی وجہ سے ہے۔ روزہ بھی حقیقت میں دوسروں کی ضرورت کے احساس جتلانے اور ان کی

---

[1] سورہ آل عمران، آیہ ۱۰۳

بھوک و پیاس کو یاد کرنے کا سبب ہے اس لیے اس میں بھی معاشرے کے احساس کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ روزے کے اختتام پر فطرے کی صورت میں معاشرے کے غرباء کی یاد اور اس فریضے کی ادائیگی کے بعد نماز عید کی صورت میں ایک ساتھ مل کر نماز عید کی خوشی منانا اور دوسروں کو مبارک باد پیش کرنا یہ محبت پیدا کرنے کی راہیں ہیں۔

گھر سے یہ سلسلہ شروع ہونا چاہے اور خونی رشتے مدنظر رہیں اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے مذہب سے بھی آگے انسانیت تک پہنچ جانا چاہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کو "دستور حکومت" میں فرمایا:

رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوقِ خدا۔ ان سے لغزشیں بھی ہوں گی، خطاؤں سے بھی انہیں سابقہ پڑے گا اور ان کے ہاتھوں سے جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ تم ان سے اسی طرح عفوودرگزر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفوودرگزر کو پسند کرتے ہو۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا:

اگر ہمارے چاہنے والے دو افراد کے درمیان مالی جھگڑا ہو تو میرے مال سے رقم ادا کریں اور جھگڑا ختم کریں۔[2]

(۴) یتیم پروری:

وَ اللهَ اللهَ فِي الْاَيْتَامِ، فَلَا تُغِبُّوْٓا اَفْوَاهَهُمْ، وَ لَا يَضِيْعُوْا

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳، ص ۷۶۶

[2] پیام امام، ج ۷، ص ۲۶۵

بِحَضۡرَتِکُمۡ۔

(دیکھو!) یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ان کے کام و دہن کے لیے فاقہ کی نوبت نہ آئے، اور تمہاری موجودگی میں وہ تباہ و برباد نہ ہو جائیں۔

اس حصے میں امامؑ نے چھ جملوں کی ابتداء اللہ اللہ کے الفاظ سے کی جو بعد والے حکم کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

امامؑ نے ساری زندگی یتیم پروری کی اور آخری وقت وصیت میں انہیں یاد فرما کر اس کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ قرآن و احادیث میں اس موضوع کو بار بار بیان کیا گیا۔

اہل بیت علیہم السلام کی ایک فضیلت اس یتیم پروری کو قرار دیا۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿ وَ يُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّ يَتِيۡمًا وَّ اَسِيۡرًا﴾

اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔[1]

امامؑ نے جو الفاظ استعمال کیے ان کا معنی یہ بنتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کبھی اُنہیں کھانا ملے اور کبھی نہ ملے یعنی اُن کے کھانے پینے کا، اُن کے مال کا اور اُن کی تربیت کا خیال رکھنا۔ یتیم کا عنوان اس غیر بالغ کے لیے ہے جس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہو اور بلوغ کے بعد اس پر یتیم کے احکام جاری نہیں ہوں گے البتہ اگر ضرورت مند ہے تو مسکین و محتاج کے زمرے میں آئے گا۔

یتیم کی روح محبت کی پیاسی ہوتی ہے کھانا پینا بھی مہیا کیا جائے ساتھ محبت و نوازش کا بھی خیال رکھا جائے۔ حدیث میں آیا ہے:

اور جب کوئی یتیم روتا ہے تو عرش رحمان اُس کے رونے سے ہل جاتا ہے

---

[1] سورۂ دھر، آیہ ۷

اور اللہ کا ارشاد ہوتا ہے جو اِس بچے کو چپ کرائے گا اور اُس کے دل کو خوش کرے گا قیامت کے دن میں اُسے خوش کروں گا۔[۱]

(۵) ہمسایوں کا خیال رکھنا:

وَ اللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ جِیْرَانِكُمْ ، فَاِنَّهُمْ وَصِیَّةُ نَبِیِّكُمْ ، مَا زَالَ یُوْصِیْ بِهِمْ حَتّٰی ظَنَنَّاۤ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهُمْ .

اپنے ہمسایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ ان کے بارے میں تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برابر ہدایت کی ہے اور آپؐ اس حد تک ان کے لیے سفارش فرماتے رہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپؐ انہیں بھی ورثہ دلائیں گے۔

اس موضوع کی اہمیت کے لیے امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی۔ ہمسائے کی اہمیت اسلام میں معاشرتی برتاؤ کی اہمیت ہے۔ خاندان، قبیلہ، ہمسایہ، اہل شہر، اہل وطن، مسلمان اور پھر انسان یہ سب معاشرے کی کڑیاں ہیں ان کے تعلقات اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے سے معاشرہ پرسکون ہوگا اور خوبصورت ماحول وجود میں آئے گا۔ قرآن مجید نے بھی ہمسایوں کا ذکر فرمایا:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ﴾

---

[۱] پیام امام، ج۱۰، ص۲۷۱

اور تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دو اور ماں باپ، قریب ترین رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب ترین رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، پاس بیٹھنے والے رفیقوں، مسافروں اور جو (غلام و کنیز) تمہارے قبضے میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

جس نے ہمسائے کو اذیت دی اللہ سبحانہ اُس کے لیے جنت کی ہوا بھی حرام قرار دیتا ہے اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔[2]

(٦) قرآن پر عمل

وَ اللّٰهَ اللّٰهَ فِي الْقُرْاٰنِ، لَا يَسْبِقُكُمْ بِالْعَمَلِ بِهٖ غَيْرُكُمْ.

قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت لے جائیں۔

قرآن مجید کی اہمیت امیر المومنین علیہ السلام سے بہتر کوئی نہیں بتا سکتا اس لیے کہ آپؑ کی ذات ہی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

اور علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

اور کتاب خدا میرے ساتھ ہے اور جب سے میرا اس کا ساتھ ہوا ہے میں اس سے الگ نہیں ہوا۔[3]

---

[1] سورہ النساء، آیہ ۳۶

[2] مفتاح السعادۃ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۵، ص ۳۷۸

[3] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۰، ص ۳۶۶

یہ ساتھ کب سے ہے اس کے لیے بھی امیرالمومنین علیہ السلام نے وضاحت فرمائی:

جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ: یا رسول اللہؐ! یہ آواز کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: "یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علیؑ!) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔"[1]

وصیت کے اس حصہ میں امامؑ نے قرآن پر عمل کی اہمیت پر زور دیا اور ساتھ یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اس پر عمل کرنے میں آپ سے کوئی اور بڑھ نہ جائے۔ گویا امامؑ چاہتے ہیں کہ قرآن کے اصول وقوانین مثلاً صداقت و امانت، عہد و پیمان، امن و امان میں قرآن کے ماننے والے سب سے بہتر عمل پیرا ہوں کوئی اور ان اصولوں پر ان سے بڑھ نہ جائے۔ افسوس سے آج یہ بات بہت سے معاشروں میں دکھائی دے رہی ہے کہ وہ سچائی، امانت داری، عمل میں محنت، ایک دوسرے سے تعاون جیسے کاموں میں مسلمانوں سے بہتر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امامؑ نے خاص کر عمل کی طرف توجہ دلائی اس لیے کہ حفظ و تجوید و تلاوت جیسے امور کی اہمیت پر تو عمل کیا جا رہا ہے مگر عمل کے پہلوں سے وہ کوشش نہیں کی جا رہی۔

(۷) نماز کی تاکید

وَ اللّٰهَ اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ، فَاِنَّهَا عَمُوْدُ دِيْنِكُمْ۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۵۹

نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔

نماز کی اہمیت کلام امیر المومنینؑ اور عملِ امامؑ میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ نماز کو دین کا ستون قرار دے کر واضح فرمایا کہ اگر اس ستون کے قیام میں کوتاہی ہوئی تو دین کا خیمہ سرنگوں ہو جائے گا۔ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق نماز ذکر خدا کا بہترین ذریعہ ہے اور نماز ہی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴾

اور نماز ادا کرو، بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور تم جو کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔[1]

نماز کی اہمیت جاننے کے لیے اور نماز کے وقت کی پابندی کو دیکھنے کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کے نہج البلاغہ میں کلام کو پڑھا جا سکتا ہے اور آپؑ کی عملی زندگی میں صفین کے میدان جنگ کی نمازِ اوّل وقت اور شب ضربت امام حسن علیہ السلام کو نماز جماعت کی ہدایت کو دیکھا جا سکتا ہے کہ خود خون میں غلطاں مگر فرمایا بیٹا نماز جماعت پڑھاؤ۔

(۸) بیت اللہ کا خیال

وَ اللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ بَيْتِ رَبِّكُمْ، لَا تُخْلُوْهُ مَا بَقِيْتُمْ، فَاِنَّهٗٓ اِنْ تُرِكَ لَمْ تُنَاظَرُوْا۔

اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔ اسے جیتے جی خالی نہ چھوڑنا، کیونکہ اگر یہ خالی چھوڑ دیا گیا تو پھر (عذاب سے) مہلت

---

[1] سورۃ العنکبوت، آیہ ۴۵

نہ پاؤ گے۔

واجبات دینیہ میں سے ایک مہم واجب حج ہے۔ حج کی اہمیت کے علاوہ خود بیت اللہ کی اہمیت بھی مہم ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیت اللہ کے بارے میں فرمایا:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾

اللہ نے کعبہ کو جو محترم گھر ہے سب لوگوں کی فلاح و بہبود کا سبب قرار دیا۔[1]

بیت اللہ مسلمانوں کی مرکزیت اور طاقت و وحدت کے اظہار کا مقام ہے اور اگر مسلمان اپنے فرائض کو بھول جائیں اور فقط دُعائیں کرتے رہیں تو اُن کی دُعائیں قبول نہیں ہوں گی اور وہ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے۔ بیت اللہ کو خالی نہ چھوڑنے سے مراد واجب ومستحب حج اور عمرہ سب شامل ہیں۔ آئمہؑ کی زندگیوں میں ۲۵،۲۵ حج کا تذکرہ ملتا ہے جو اس کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

(۹) جہاد کی تلقین

وَ اللّٰهَ اللّٰهَ فِي الْجِهَادِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ وَ أَلْسِنَتِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

جان، مال اور زبان سے راہ خدا میں جہاد کرنے کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا۔

قرآن وحدیث میں جہاد کی اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔

ارشاد پروردگار ہے:

﴿جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾[2]

---

[1] سورۃ المائدہ، آیہ ۹۷

اور راہ خدا میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔[1]

امامؑ نے جہاد کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور سب سے پہلے مال کے جہاد کا ذکر فرمایا۔ گویا جان سے بھی سخت و مہم مال کا جہاد ہے۔ جان سے جہاد کا موقع تو کبھی کبھار آتا ہے مگر مال سے جہاد کا شرف اکثر حاصل ہوتا ہے۔ مال سے جہاد یعنی راہِ خدا میں اسے خرچ کرنا اور یہ جان سے جہاد کا مقدمہ بھی ہے اس لیے کہ جانی جہاد کے لیے اسلحہ وغیرہ کے خرچ میں اسے استعمال کرنا ہوتا ہے۔ جو شخص مالی جہاد سے ہچکچاتا ہے اُس سے جانی جہاد کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

آج اسلام کے نشر و اشاعت اور دفاع کے لیے جہاں مال کی ضرورت ہے وہاں مال خرچ کرنا مالی جہاد ہے۔ جانی جہاد یعنی اگر کبھی اسلام کی عزت و بقا کے لیے میدان جنگ میں جانا پڑے تو اس کی ہمت ہونی چاہیے اور ممکن ہے میدان جنگ کے علاوہ کسی شخص کی جان سے اسلام کی حفاظت ہوتی ہے تو وہ بھی جہاد ہے۔

امامؑ نے زبان سے جہاد کی بھی وصیت فرمائی یعنی جب بات و تقریر و تبلیغ سے اسلام کی حفاظت اور ترویج و اشاعت کی ضرورت ہے تو زبان و قلم سے اس فریضہ کو ادا کرنا جہاد ہے۔

(۱۰) صلہ رحمی و سخاوت

وَ عَلَيْكُمْ بِالتَّوَاصُلِ وَ التَّبَاذُلِ وَ اِيَّاكُمْ وَ التَّدَابُرَ وَ التَّقَاطُعَ۔

اور تم کو لازم ہے کہ آپس میں میل ملاپ رکھنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا۔ اور خبردار! ایک دوسرے کی طرف سے پیٹھ پھیرنے اور تعلقات

---

[1] سورۃ الحج، آیہ ۷۸

توڑنے سے پرہیز کرنا۔

اسلام میں انسانی و معاشرتی تعلقات کی اہمیت کو اس وصیت میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے جہاں امامؑ ان تعلقات کو عام نماز و روزے سے افضل قرار دیتے ہیں۔

اس حصہ میں امامؑ فرماتے ہیں ایک دوسرے سے جڑے رہیں اور قطع تعلقات سے بچیں۔امیر المومنین علیہ السلام نے قرآنی مفاہیم کو دو لفظوں میں بیان فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ صاحبان عقل کے اوصاف میں فرماتا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾

اور اللہ نے جن رشتوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں۔[۱]

اور فاسقین کی پہچان کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾

اور اللہ نے جس (رشتے) کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اسے قطع کر دیتے ہیں۔[۲]

امامؑ نے دو لفظ استعمال کیے تواصل یعنی تعلقات جوڑے رکھنا اور تقاطع یعنی تعلقات توڑنے سے بچے رہنا۔ان جملات میں اتنی وسعت ہے کہ گھر کے دو افراد سے لے کر کائنات بھر کے مومنوں کو اخوّت کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں بلکہ انسانیت کو اپنے دائرے میں شامل کر لیتے ہیں خواہ کسی مذہب و مقام سے تعلق رکھتے ہوں۔

ان تعلقات کی اہمیت کے بیان کے ساتھ ہی خرچ کا حکم دیا کہ ان تعلقات کو نبھانے کے لیے مال، وقت اور اپنے دنیاوی مرتبہ و مقام کو استعمال کرنا پڑتا ہے تو کریں ان تعلقات

---

[۱] سورہ الرعد، آیہ ۲۱

[۲] سورہ البقرہ، آیہ ۲۷

وروابط کو مضبوط ومحفوظ رکھیں۔

اس عمل کی اہمیت کو مزید ان لفظوں سے اجاگر فرمایا کہ قطع تعلقات اور اخراجات میں بخل سے بچ کر رہنا۔ دشمنیوں اور بدگمانیوں سے دور رہنا۔

(۱۱) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

لَا تَتْرُكُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ شِرَارُكُمْ ، ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے کبھی ہاتھ نہ اٹھانا، ورنہ بدکردار تم پر مسلط ہوجائیں گے۔ پھر دُعا مانگو گے تو قبول نہیں ہوگی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے قرآن ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد مقامات پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ ایک مقام پر اس فریضہ کی اہمیت کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام اعمالِ خیر اور جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں ایسے ہیں، جیسے گہرے دریا میں لعاب دہن کے ریزے ہوں۔ یہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے موت قبل از وقت آجائے، یا رزق معین میں کمی ہوجائے۔ اور ان سب سے بہتر وہ حق بات ہے جو کسی جابر حکمران کے سامنے کہی جائے۔[۱]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو سب سے پہلے اللہ سبحانہ نے انبیاء واولیاء کی راہ اور مشن

---

[۱] نہج البلاغہ، حکمت ۳۷۴

قرار دیا۔ انبیاء اور آئمہ ہدیٰ کو دنیا کی تکلیفیں اس فریضہ کی ادائیگی کی وجہ سے جھیلنی پڑیں۔

ان دونوں فریضوں کا بڑا اور گہرا تعلق حکمرانوں سے ہے یا خود کو بڑا سمجھنے والے افراد سے ہے اور انہیں اگر حقیقت کہی جائے تو قبول کرنے کے بجائے سزائیں دینے پر اتر آتے ہیں مگر قرآنی واقعات اور آئمہ ہدیٰ کی زندگی کے حالات واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے کبھی سزا کے خوف سے اس فریضہ کی ادائیگی کو ترک نہیں کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی پر دو سزاؤں کا تذکرہ فرمایا، جن کا سامنا پورے معاشرے کو کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو ظالم حکمران مسلط ہو جانا اور دوسرا دُعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ ہونا اور یہ دونوں مصیبتیں خود انسان کی اپنی کوتاہی و کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شرائط اور طریقہ کار کی تفصیل اپنی جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

(۱۲) قاتل کی سفارش

يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَآ اُلْفِيَنَّكُمْ تَخُوْضُوْنَ دِمَآءَ الْمُسْلِمِيْنَ خَوْضًا، تَقُوْلُوْنَ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِيْٓ اِلَّا قَاتِلِيْ، اُنْظُرُوْا اِذَآ اَنَا مُتُّ مِنْ ضَرْبَتِهٖ هٰذِهٖ، فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ، وَ لَا يُمَثَّلُ بِالرَّجُلِ، فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: "اِيَّاكُمْ وَ الْمُثْلَةَ وَ لَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ".

(پھر ارشاد فرمایا:) اے عبد المطلب کے بیٹو! ایسا نہ ہونے پائے کہ تم امیر المومنین علیہ السلام قتل ہو گئے، امیر المومنین علیہ السلام قتل ہو گئے کے نعرے

لگاتے ہوئے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کردو۔ دیکھو! میرے بدلے میں صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے۔ اور دیکھو! جب میں اس ضرب سے مرجاؤں تو اس ایک ضرب کے بدلے میں ایک ہی ضرب لگانا اور اس شخص کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: "خبردار! کسی کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹو، اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی ہو۔"

اُس امامؑ کی عظمت کو سلام جو قاتل کے لیے خاندان کو سفارش فرما رہے ہیں۔ فقط ایک کے بدلے میں ایک قاتل کو قتل کیا جائے۔ ایک ضرب کے بدلے میں ایک ضرب لگائی جائے۔ یہ عدل الٰہی کا عجب انداز ہے۔ مثلہ نہ کیا جائے یعنی کان، ناک و دیگر اعضاء نہ کاٹے جائیں اور وصیت ۲۳ میں تو معاف کرنے کی بھی بات کی ہے۔

یہ ہے وہ وصیت نامہ جس سے علی علیہ السلام کی زندگی کی ترجیحات کو اور خود امامؑ کی ذات کو پہچانا جاسکتا ہے اور اگر ان وصیتوں پر عمل کیا جائے تو حقیقی شیعہ و تابعدار ہونے کا ثبوت بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور اپنی دنیوی و اخروی زندگی کو سنوارا جاسکتا ہے۔